رسائل و مسائل

سُود، پردہ، طلاق اور مہر

از جناب مولوی ابوالخیر محمد خیراللہ صاحب سنوسی وکیل ہنمکنڈہ

انجمن طیلسانین جامعۂ عثمانیہ کے گذشتہ سالانہ جلسہ کی صدارت فرماتے ہوئے ڈاکٹر میر سیادت علی خان صاحب پروفیسر قانون جامعہ عثمانیہ نے اپنے خطبہ میں سود، پردہ، طلاق اور مہر کے مسائل پر جو بحث کی ہے وہ غور و توجہ کی محتاج ہے اور ضرورت ہے کہ ان مسائل پر نور قرآن و حدیث کے اجالے میں نظر ڈال کر صحیح شرعی احکام بیان کئے جائیں۔

مسئلہ سود۔ جناب صدر کا ارشاد ہے:-

"شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے نہایت ہی اہم موقع پر میدان عرفات میں ہزارہا صحابیوں کے سامنے نہایت ہی اہم الفاظ میں اس کی ممانعت فرمائی کہ الا انّ ربوا الجاھلیۃ ھی موضوع تحت قدمی ھذا لیکن دور اول ہی سے اس کی شروعات کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً امام مالک کی مدونہ میں سود پر سینکڑوں مسائل کا ذکر ہے۔ اگر یہ سب فرضی اور قانونی نہیں ہیں بلکہ کچھ بھی واقعی تو ان سے ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک شکل میں سود کا لین دین ہوتا تھا۔ اسی طرح امام سرخسی کی مبسوط میں صراحۃً مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس بصرہ سے مکہ تک سفاتج (یعنی بلس آف اکسچینج یا ہنڈیوں) پر کچھ زائد لینے کو جائز سمجھتے تھے حالانکہ یہ الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ کی حدیث سے فقہاء کے نزدیک سود کی تعریف میں داخل ہے۔ دور اول کے بعد تو مسلمانوں

میں سود کا رواج عام رہا ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف کے متعلق قاضی خان اور دوسری فقہی کتابوں میں یہ قول منقول ہے کہ وہ حیل شرعی کے ذریعہ سے سود لینے کو پسند فرماتے تھے اور بیع بالوفا وغیرہ شرعی حیلوں کے ذریعہ سے سود کے جواز سے قطع نظر بھی کر یں تو نیل الاوطار میں امام شوکانی صاف الفاظ میں شاکی نظر آتے ہیں کہ افسوس مسلمان ممالک کی مسلمان عدالتیں سود کی ڈگریاں دیتی ہیں۔ اور دیتی آئی ہیں"۔

"........ مسئلہ سود کا ایک رخ مسلمانوں کے لیے بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ وہ سود دیتے ہی ہیں اور سود لیتے نہیں، حالانکہ فقہی احکام کی رو سے سود دینا بھی اتنا شنیع ہے جتنا کہ لینا۔ اسی سود دینے کی وجہ سے سالانہ ہزارہا مسلمانوں کی لاکھوں کی جائداد بنگال، یوپی، پنجاب، بمبئی وغیرہ میں دیگر اقوام کے ہاتھوں منتقل ہوتی جارہی ہے .... یہ المناک واقعہ علمائے اسلام کی توجہ کے قابل ہے ..... حلت وحرمت سود وربا کے متعلق ان کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ربا یعنی غیر پیدائشی اغراض کے لیے محتاجوں سے اضعافاً مضاعفاً سود بھی حرام ہے اور پیدائشی اغراض کے لیے بنک کا سود بھی۔ ان کو پہلی قسم کے سود کی ممانعت پر کوئی شبہ نہیں۔ دوسرے کے متعلق بھی وہ حرمت کی طرف مائل ہیں کیونکہ کاروبار میں پیدائشی اور غیر پیدائشی اغراض محتاج اور غیر محتاجوں کا فرق ممکن نہیں۔ اس شبہ پر وہ اس سود کو بھی اس بنا پر ممنوع قرار دیتے ہیں کہ سود کی وجہ سے سرمایہ چند کے ہاتھوں میں جمع ہوجاتا ہے۔ اخوت اور ہمدردی کے جذبات فنا ہوجاتے ہیں، اور نظم معاشرت میں فتور پیدا ہوجاتا ہے"۔

"شرع شریف کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ لا ینکر والتغیر الاحکام بتغیر الازمان

اس اصول پر عمل کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق السنۃ یعنی قرآن و حدیث کے مقرر کردہ طریق طلاق کو بدل کر طلاق بدعی کو رائج کر دیا جو آج تک حنفی شافعی حنبلی ممالک میں قانون ہے۔ صحیح حدیث کی رو سے خود حضرت عمرؓ کو ربا کی وسعت اور حدود کے متعلق شبہ رہا ہے۔ دارالامان و دارالاسلام کے مسئلہ کی بنا پر حضرت عبدالعزیز دہلوی نے جواز سود کا فتویٰ دیا ہے۔ اضعافاً مضاعفاً۔ یا سود در سود کی ممانعت میں تو مضائقہ نہیں اور یہی قرآن شریف کا حکم ہے اور اس کی تحدید قوانین موضوعہ کی رو سے کافی حد تک کامیابی کے ساتھ کی جا سکتی ہے مشہور و مستند حدیث الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ الخ۔ کا صحیح منشا کیا ہے؟ کیا اس کا منشا رمبادلہ کو ختم کرنا اور اس کے بجائے بیع کا رواج دینا نہیں تھا؟ کیا اس خصوص میں آج کل کے اسلامی ممالک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعا پورا نہیں ہو چکا ہے؟ اور کیا نیز اس حدیث شریف کا مقصد عربستان میں ایک واحد سکہ کی ترویج نہیں تھا۔ اور کیا یہ بھی آج کل کے تمام اسلامی ممالک میں شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منشا کے مطابق ظہور پذیر نہیں ہو چکا ہے؟ اور کیا اسی لیے سود کے متعلق میدان صاف نہیں ہے تاکہ ہر اسلامی حکومت حسب مصلحت عامّہ احکام وضع کرے؟ اور کیا اگر یہ توجیہیں صحیح ہیں تو علمائے کرام کو نہیں چاہیئے کہ مسلمانوں کے ضمیر سے سود کی ممانعت کے بارگراں کو اٹھالیں کم از کم عارضی طور پر مصلحت کے اصول ہی کے تحت؟ بلا تشبیہ ساری تعریف ہے علمائے کرام کے لیے کہ اپنی تجارتی دنیا آپ پیدا کرنے کی مردانہ تعلیم دیتے ہیں لیکن کیا دنیا کے معاشی حالات مسلمانوں کو اس طرح گھیر نہیں لیے ہیں کہ اس مشورہ پر عمل کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے؟ کیا آج کل کے قیامت سے قریب کے زمانہ میں مسلمان سود کے

غبار میں سرتاپا اٹے ہوئے نہیں ہیں۔"؟

اس تقریر میں حسب ذیل سوالات تنقیح طلب ہیں:۔

(۱) اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ شرع اسلامی میں سود حرام کیا گیا ہے مگر کیا یہ واقعہ ہے کہ شرع میں خود سود کو بلا کسی تعریف و تحدید کے یوں ہی مبہم چھوڑ دیا گیا ہے؟ اگر سود کی وسعت اور اس کے حدود ہی متعین نہیں ہیں، جیسا کہ فاضل صدر کا خیال ہے، تو شریعت کا حکم تحریم سرے سے باطل ہو جاتا ہے، اور شارع پر یہ الزام وارد ہوتا ہے کہ اس نے ایک ایسی چیز کو حرام کیا جس کے متعلق یہی معلوم نہیں کہ وہ چیز درحقیقت ہے کیا۔

(۲) اگر ایسا نہیں ہے اور "ربوٰا" ایک معلوم و متعین چیز ہے تو کیا شریعت میں ربوٰ صرف وہی حرام ہے جو اضعافاً مضاعفۃً ہو؟ کیا سود کی دوسری صورتوں پر "ربوٰ" کا اطلاق نہیں ہوتا؟

(۳) کیا یہ واقعہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں دور اول ہی سے سود کسی نہ کسی صورت میں رائج ہو گیا تھا اور فقہاء و مجتہدین نے مختلف حیلوں سے اس کو پسند کیا یا جائز رکھا؟

(۴) کیا تحریم ربوٰا کا مقصد صرف مبادلہ کو ختم کرنا اور اس کی جگہ بیع کو رواج دینا اور عرب میں ایک واحد سکہ کو جاری کرنا تھا؟ اور کیا یہ مقصد حاصل ہو جانے کے بعد اب ہر اسلامی حکومت آزاد ہے کہ سود کے متعلق مصلحت عامہ کے تحت احکام وضع کرے؟

(۵) تغیر زمان کے ساتھ تغیر احکام کی حد کیا ہے؟ کیا تغیر زمانہ کے ساتھ اصول بھی بدلے جا سکتے ہیں؟ یا اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اصول کے ماتحت جزئی احکام میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے؟

(۶) کیا موجودہ زمانہ کی معاشی مشکلات کو حل کرنے کے لیے جائز ہے کہ سود کے متعلق اسلام کے اصلی قانون میں ترمیم کی جائے؟ اگر نہیں تو اس اصلی قانون کو برقرار رکھتے ہوئے ان مشکلات